Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 4, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

خلیل الرحمن
سکالر پی ایچ۔ڈی
قرطبہ یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان
ڈاکٹر عبدالستار نیازی
اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ڈیرہ اسماعیل خان میں جدید اردو غزل کے نمائندہ شعراء- تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Khalil Rahman
Scholar Ph.D Urdu, Qurtaba University Dera Ismail Khan
Dr. Abdul Sattar Niazi
Assistant Professor, Depart of Urdu,University of Sialkot

Prominent Poets Of Modern Ghazal in Dera Ismail Khan Research and Critical Review

The civilizational, cultural and historical capital of Dera Ismail Khan is also worthy of attention, but the poetic and literary atmosphere here cannot be ignored in any way.5 Urdu Ghazal, like other regions of Pakistan, has also captured the people of this place. If the office of ancient and modern Ghazal is explored in Dera Ismail Khan, some poets are known at the national level. What are the trends and tendencies of his Ghazals, this article has tried to reveal them. A special study of the Ghazal Poetry of Ghulam Muhammad Qasar, Saeed Ahmed Akhtar, Bahram Sahil, Kawar Ahmed, Tariq Ahmed Nawaz, Tariq Hashmi, Shahab Safdar, Khurshid Rabbani, Tahir Shirazi and Kahlah Ahmed Awan's is the focus of the article under review.

Keywords: Significance,Explore,Trends, Tendencise

کلیدی الفاظ: غزل، رجحان، میلانات

ڈیرہ اسماعیل خان میں قیام پاکستان کے وقت چند شعرا جن میں ماسٹر فتح محمد التمش، خدا بخش نازش، کوکب سرحدی 'الحاج عبدالکریم صابر اور ملک محسن علی عمرانی غزل کہہ رہے تھے۔ جو کلاسیکل اساتذہ سے متاثر ہو کر اسی رنگ میں شعر کہتے تھے، تاہم انھوں نے نئے لکھنے والوں کو اردو غزل کہنے کی طرف راغب کیا۔ تقسیم کے بعد نئے غزل گو شعرا میں امیر پیلی اور نسیم شاہجہان پوری بھی ڈیرہ اسماعیل خان میں وارد ہوئے۔ ان شعرا کے توسط سے نئی کھیپ سامنے آئی اُن میں سعید احمد اخترؔ، محمد نذیر اشک، عبداللہ یزدانیؔ اور اقبال سیّد نے شعر و سخن میں اپنی شناخت بنائی۔ پھر ساٹھ کی دہائی میں نصیر احمد زار کا ڈیرہ اسماعیل خان آئے جو یہاں کے ادبی حلقوں کے لیے نیک فال ثابت ہوا۔ عبدالحمید عدم بھی ملازمت کے سلسلے میں ڈیرہ اسماعیل آئے ان کی آمد سے یہاں شعر و سخن کا چرچا ہوا۔ چنانچہ مرتضی برلاسؔ، حافظ لوھیانویؔ، نصرت زیدیؔ اور شوکت واسطی سر زمین ڈیرہ اسماعیل گل و گلزار بنا کر نو زائیدہ شعرا کو اپنی طرف متوجہ کرتے رہے۔ جبکہ عطاء اللہ خان عطاؔ ادبی فضا کو خوشگوار بنانے مین بہت

معاون ثابت ہوئے ۔ان شعرا کے توسط اردو غزل پھلتی پھولتی رہی۔ چنانچہ مختار ساقیؔ، بہرام ساحلؔ، غلام محمد قاصرؔ، قیصر نجفی، غفار بابرؔ، سلطان مجاہدؔ، خمار قریشیؔ، الطاف صفدر اور طاہر صلاح الدین نے ان کے سرپرستی میں اپنے شعری سفر کا آغاز کیا۔ جبکہ ستر کی دہائی میں طالب حسین اشرف، خاور احمدؔ، طارق احد نوازؔ اور تسلیم فیروزؔ نے اسی دہائی میں اپنی پہچان بنائی۔اسی اور نوے کی دہائی میں نئے آنے شعرا میں احساس فکریؔ، ناہید غزلؔ، عذرا بخاریؔ، خورشید ربانیؔ، طاہر شیرازیؔ، اظہر گنڈہ پورؔ، یونس خان، محمد علی بخاری، نور احمد نازؔ کے نام آتے ہیں۔

اکیسویں صدی میں شاعری کے اُفق پر ابھرنے والی نئی نسل کے شعرا، میں جاوید بخاری، کاشف رحمان کاشف، موسیٰ کلیم دوتانی، وسیم سہیلؔ، ذیشان گوہرؔ، رضوان عالمؔ، ثاقب سعیدؔ، سبطین ساحرؔ، منتظر مہدیؔ، قیس رضاؔ، عون رضاؔ اور علی میمنؔ نئے منظر نامے میں جگہ بنا رہے ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں اردو غزل کے مرکزی دھارے میں اپنی شناخت بنانے والوں میں غلام محمد قاصرؔ 4 ستمبر 1941ء کو پہاڑ پور میں پیدا ہوئے اور 1960ء میں ڈیرہ شہر میں منتقل ہوگئے۔ مشہور شاعر مرتضیٰ برلاس نے ان دنوں ڈیرہ اسماعیل خان میں اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ احمد ندیم قاسمی نے غلام محمد قاصر کو ادبی دنیا میں متعارف کروایا۔ احمد ندیم قاسمی نے غلام محمد قاصر کی غزلیں اپنے رسالے ''فنون'' میں شائع کی تو ان کی شاعری کی ملکی سطح پر پذیرائی کا آغاز ہوا۔ اُن کا پہلا مجموعہ کلام ''تسلسل'' 1977ء میں فنون پریس سے ہی شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ کلام "آٹھواں آسماں بھی نیلا ہے 1988ء میں اور تیسرا مجموعہ کلام انتقال سے دو سال ''دریائے گماں'' قبل 997ء میں چھپا۔ جو جگر کے عارضے کے باعث پشاور میں 1999ء انتقال کر گئے۔ بعد ازاں بچوں نے اُن کا کلیات '' اک شعر ابھی رہتا ہے'' 2009ء میں شائع کیا۔ غلام محمد قاصر کی اردو غزل گوئی انتہائی خوبصورت ہے اور اُن کے کچھ اشعار زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

کروں گا کیا جو محبت میں ہو گیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا (1)

تم یونہی ناراض ہوئے ہو ورنہ میخانے کا پتہ
ہم نے ہر اُس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے (۲)

تیرے بخشے ہوئے اک غم کا کرشمہ ہے کہ اب
جو بھی غم ہو مرے معیار سے کم ہوتا ہے (۳)

قاصرؔ نے غزل کی روالت سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور غزل کی کلاسیکل روایت سے روشنی لے کر اپنی غزل کو سینچا ہے انھوں نے اپنی غزل کو عصر جدید کے رنگ سے گوندکر جدید اسلوب تشکیل دیا۔ ان کی غزل بیک وقت دل و دماغ پر اثر انداز ہوتی ہے پھر دھیرے دھیرے دل کی کلیوں کو معطر کرتی چلی جاتی ہے ۔جو قارئین کو دو آشتہ کرتی چلی جاتی ہے۔ قاصر کا اسلوبِ بیاں میں میر کی سادہ بیانی، غالب کا تخیل اور اقبال کی وسیع نظری دکھائی دیتی ہے۔ قاصر رومانوی مزاج کا حامل ہی نہیں ہے۔ بلکہ فلسفیانہ اور مفکرانہ اسلوب کا بھی شاعر ہے۔ ان کی غزلیں الفاظ وتراکیب، صنائع لفظی و معنوی اور ردیف و قافیے میں جکڑی نظر آتی ہے۔ جبکہ تشبیہات اور استعارے زمینی ہیں ۔وہ ماورائیت سے گریزاں ہیں مگر معاشرتی، سماجی اور معاشی حقائق پر نگاہیں مرکوز رکھے ہوئے ہیں۔ تاہم انسانی نفسیات پر بھی گہری نظر ہے۔ فطرت اور اس سے جُڑے تمام مظاہر اُن کے ہاں شعور لاشعور کی علامت کے طور پر اُبھرتے ہیں۔ قاصرؔ کے ہاں سورج، چاند، ستارے، ہوا، پانی، بادل، درخت، پھول، پتے اور پرندے وغیرہ محض الفاظ نہیں بلکہ ایک خاص نظام کے مختلف اجزاہیں جن سے شاعر کے ذہن میں موجود تصویریں صفحہ قرطاس پر منتقل ہوتی ہے۔ اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہوں

عکس کی صورت دکھا کر آپ کا ثانی مجھے
ساتھ اپنے لے گیا بہتا ہوا پانی مجھے (۴)

پھر یوں ہوا کہ ایک زمستاں زدہ درخت
جل جل کے گھورتا طالب آب جو مجھے (۵)

قاصر کی شاعری میں خیال و معنی کی رنگینی ہے جو ہر لمحے محسوس ہوتی ہے۔ انھوں نے فن شاعری پر بھرپور توجہ دی اور نامانوس بحروں میں روانی سے اشعار کہہ کر فن مہارت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔غلام محمد قاصر کی غزل میں علاقائی حوالے بھی موجود ہیں۔ کسی زمانے میں شہر ڈیرہ اسماعیل خان کے "نو" دروازے ہوتے تھے درج ذیل شعر میں
''نو دروازوں''کا شہر سے ڈیرہ اسماعیل خان ہی مراد ہے۔

ساری چابیاں اُس نے میرے حوالے کیں اور اتنا کہا
آٹھوں پہر حفاظت کرنا شہر ہے نو دروازوں کا(٦)

میرؔ، آتشؔ اور غالبؔ کی شاعری میں دہلی، فیض آباد اور لکھنو شہر کے بارے میں علامتی اشارے ملتے ہیں چنانچہ قاصرؔ کی شاعری میں دریا، کشتی اور کنارے کے الفاظ ملتے ہیں جو ڈیرہ اسماعیل جو کسی زمانے میں سندھ کنارے آباد تھا۔جو علاقائی علامتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ان کے بقول

کشتی بھی نہیں بدلی، دریا بھی نہیں بدلا
اور ڈوبنے والوں کا جذبہ بھی نہیں بدلا(٧)

قاصر اپنے تجربات اور مشاہدات کو شعر کی زبان عطا کرتے ہیں تو حسی تصویریں بنتی چلی جاتی ہیں۔جسے قارئین پڑھنے اور سننے والے باقاعدہ محسوس کرتے ہیں۔وہ بہت عرصہ تک سکول میں تعلیم خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وہ دوران تدریس قلم، دوات اور تختی کے مناظر کا روز مشاہدہ کرتا ہے۔ قاصر نے درج ذیل شعر میں ایسا ہی منظر بیان کیا ہے۔شعر ملاحظہ ہو۔

کہیں دریدہ کہیں ہیں دھبے اور کہیں ہاتھوں کے نشان
ہستی کا پیراہن ہے یا طفل ابجد خواں کی کتاب(٨)

غلام محمد قاصر کی غزل اپنے عہد اور اپنے شہر کی نمائندگی کا حق ادا کرتی ہے۔ قاصر کی غزل میں انفس و آفاق کے منظر بیدار آنکھوں کو تازگی بخشتے ہیں۔ قاصرؔ کا شعری پیمانہ قدیم ہے لیکن اس میں موجود شراب اپنے ذائقے، تاثیر اور فکر و خیال میں اُچھوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی آواز آئندہ عہد تک پوری توانائی کے ساتھ پہنچ رہی ہے۔ جو اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ قاصر کی غزل محدود دائرے کی نہیں بلکہ زمان و مکاں سے ماورا ہے ان کی غزلوں کی تاثیر مشامِ جاں کو معطر کرتی چلی جا رہی ہے۔

سعید احمد اختر 3، مارچ 1933ء کو پشین (بلوچستان) میں پیدا ہوئے۔ان کے والد سلسلہ ملازمت میں وہاں مقیم تھے۔تاہم اُن کا بنیادی تعلق تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے ہی ہے۔انھوں نے زندگی کی ابتدا پروفیسری سے کی پھر 1990ء میں سول سروس میں آگئے اور مختلف اضلاع میں ڈپٹی کمشنر، کمشنر کے عہدوں پر فائز رہے۔اُن کی وفات 20، اگست 2013ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں ہوئی۔ان کی آخری آرام گاہ شاہ عالم آباد ڈیرہ اسماعیل خان میں ہے۔اُن کی وفات تک " دیارِ شب "(1976ء) سطح آب "(1978ء)"چاندنی کے سائے "(1981ء) "خاکینے(1983ء)"لے گئی پون اڑا" 1987ء)"پتا ٹوٹا ڈال سے "(1987ء) یو جاکے پھول"(2000ء) "اور شانجلی 2002ء ''Song from the Desert (2003ء ''اب کے بچھڑے کب ملیں''(2007ء ''دور پڑے ہیں جا 2009ء گو نگھٹ کا پٹ گھول ری''(2010ء) شائع ہوئیں۔

سعید اختر کی غزل میں زمینی حقائق کی خوشبو سے مزین ہے جو مقامی رنگ لئے ہوئے ہیں۔ان کی غزل خالصتاً محبوب کے خد و خال، لوازمات حسن، محبوب کی شوخیاں، چنچل پن، ناز نخرے ظلم و ستم، ہجر و فراق، وعدہ دیدار، خواہش وصل کے گرد رقصاں کرتی ہیں۔ان کی غزلوں میں سراپا حسن بھی پایا جاتا ہے۔وہ اس دھرتی کے اعلیٰ پائے کے فطری شاعر ہیں۔ان کے اشعار میں مذہبی حوالے کم ہیں ان کی نگاہ میں زمینی حُسن ہی پُرکشش ہے جس سے دنیا حسیں ہے اور اس میں بے پناہ کشش پائی جاتی ہے۔ان کے شاعر کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ زمینی دنیا کی حور کے شدائی ہو کر رہ گئے ہیں۔وہ والہانہ پن میں ورڈز ورتھ کی طرح فطری شاعری کرتے ہیں اور اسلوب سادہ ہیں اور حقیقت نگاری سے انحراف نہیں کرتے۔وہ ماورائی، پیچیدہ ، غیر حقیقی اور خیالی مناظر سے اجتناب کرتے ہیں۔ان کی شاعری فلسفیانہ موشگافیوں سے انحراف کر کے حقیقت نگاری کی طرف سفر کرتی نظر آتی ہے اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

خزاں بہار کا قصہ بہت پرانا ہوا
کہ اُس فریب سے نکلے ہمیں زمانہ ہوا (۹)
کرنیں چومو، رنگ سمیٹو، تتلیاں پالو
خوشبو کی الجھن میں لیکن ہاتھ نہ ڈالو (۱۰)
مجھے زلفوں کے جنگل میں چھپا لو
خدا و ناخدا کے خیر و شر سے (۱۱)

سعید احمد اختر کی غزل میں مقامی حوالے بھی ملتے ہیں۔ وہ سروس کے سلسلے میں ڈیرہ شہر سے بہت عرصہ دور رہے، لیکن اُنھیں ڈیرہ کی یاد ستاتی رہی ہے۔ انسان ہواؤں میں اُرتے ہوئے بھی اپنی جنم بھومی سے جڑا ہوتا ہے ۔ میر تقیض باد پہنچتے ہیں اور لوگ ان پر ہنستے ہیں میر رباعی میں اپنا تعارف یوں کراتے ہیں

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دہلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار
جس کو فلک نے لوٹ کے ویراں کر دیا ہم رہنے والے ہیں اسی اُجڑے دیار کے

میر نے ان اشعار میں اپنے شہر دہلی کو یاد کیا ہے یہی وجہ کہ سعید اختر سول سرونٹ ہو کر ساری دنیا گھومے مگر اپنی آبائی شہر ڈیرہ اسماعیل کو ساری زندگی فراموش نہ کر سکے۔ درج ذیل اشعار میں ڈیرہ سے اُن کی محبت نہ صرف دیکھی جا سکتی ہے بلکہ محسوس بھی ہوتی ہے۔ پھر اس میں علاقائی رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ الفاظ، تراکیب، لہجہ اور آہنگ بھی اسی دھرتی کا ہے جہاں سے شاعر کا خمیر اُٹھا تھا۔ ان کے درج ذیل اشعار سے ڈیرہ اسماعیل کی خوشبو آ رہی ہے۔ ان کے بقول

وہ ہرجائی کب آئے کس ڈیرے سے
وقت کو مت ناپو جوگی کے پھیرے سے
ڈیرہ سے اک لڑکی کا خط آیا ہے
کیسے پیار کرے گی شام سویرے سے (۱۲)

سعید احمد اختر کی غزل میں ہندی اساطیر کے حوالے بھی بہت ملتے ہیں اُن کا بچپن تقسیم سے پہلے ہندو دوستوں کے ساتھ گزرا۔ وہ ناصر کاظمی کی طرح ساری زندگی ان یادوں کو فراموش نہ کر سکے۔ اُن کی شاعری میں وہی یادیں رادھا کرشن بنسی وغیرہ کی صورت میں در آتی ہیں۔ ان کی غزلیات گنگا و جمنی تہذیبی علامت بن جاتی ہیں جو قارئین کے دلوں کو آہستہ آہستہ گدگداتی ہیں اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ٹوٹا ہوا یہ ساز یہ دل جب جوان تھا
رادھا کا بول، کرشن کی بنسی کی تان تھا (۱۳)
میں رادھا کی بنسی ہوں
تو گردھر کا پلنا ہے (۱۴)
وہ کاتک ترا پیغام وہی پوہ جواب
وہی ساون وہی بھادوں مرے ارمانوں میں (۱۵)

سعید اختر کی غزلیات کے تجزیاتی مطالعے سے آگاہی ہوتی ہے کہ وہ غزل کی کلاسیکل روایت سے انحراف نہیں کرتے۔ غزل کو دل ناداں پر گزرنے حالات و واقعات کی عکاسی کا نام دیا گیا ہے۔ وہ اپنے دل نازک پر گزرنے واقعات کو شعری لباس پہناتے تو دل نازک پر لفظوں کی جھنکار بجنے لگتی ہے۔ اور دل محبت کے ہلکورے لینے لگتا ہے۔۔ وہ اپنی غزلوں لفظی اجتہاد بھی کرتے ہیں جو روایت کے دائرے میں رہتا ہے جس سے اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ ان کے اشعار نہیں بلکہ شاعری کی فلمیں ہیں جو شوق سے کاغذ پر فلمائی ہیں۔ ان کے بقول

کبھی تو گن مرے شعروں میں اپنے وعدوں کو

کبھی تو دیکھ مرے انتظار کی فلمیں (۱۶)

لکھتی پھرے گی اختر بے خانماں کا حال

وحشت ہوا کے دوش پہ دفتر لگائے گی (۱۷)

گھر بچے گا نہ کوئی قبر بچے گی اس سے

شہر پھیلے گا تو بستی کو نگل جائے گا (۱۸)

سعید احمد اختر نے اپنی غزلیات میں زندگی کی گہما گہمی کو انتہائی خوبصورت سے سمویا ہے اور قارئین کو اپنی زندگی یاد دلاتی ہے جو آپ بیتی میں ڈھل جاتی ہے۔ چنانچہ سعید اختر کی شاعری ان کی اپنی کہانی نہیں بلکہ ہر فرد کی کہانی ہے۔ بالخصوص زندگی میں محبت کے ذائقے سے شناسا لوگوں کی کہانی پہوچکے ہو کیونکہ عاشق صادق صدیوں سے استحصال کا شکار رہا ہے اور ابھی جبر مسلسل کی چکی میں پس رہا ہے۔ سعید احمد اختر کی شاعری کے تاریخی پہلو بھی ہیں۔ ان کی شاعری میں صدیوں کے جبر و استحصال کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ سعید احمد اختر نے جو نقش ابھارے ہیں وہ شعور اور روشنی کے نقوش ہیں۔

سعید اختر کی غزل گوئی کے بارے میں مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اُن کی غزل زندگی کے مختلف رنگوں کی آمیزش سے ابھری ہوئی تصویر ہے۔ جو دیکھنے والے کو ہنساتی اور کبھی رُلاتی ہے۔ کبھی محبت و سرشاری کی روشنی دل و جاں کر منور کر دیتی ہے اور کبھی غموں کی سیاہیاں تھوڑی دیر کے لیے آنکھوں کو دُھندلا دیتی ہیں۔ یہ قوس قزح ان کی شاعری جان ہے جس مین ان گنت زندگیوں کے رنگ بھرے ہوئے ہیں جو اپنے ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔

بہرام ساحل (بشیر احمد) ۱۹۴۶ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے اور ساری عمر صحافت سے جُڑے رہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ریڈیو پاکستان میں بطور کمپئر اناؤنسر گزارا۔ بہرام ساحل ڈیرہ اسماعیل کے بہت عمدہ شاعر تھے اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ان کا انتقال 9 نومبر 1998ء کو بوجہ برین ٹیومر ہوا اور کوٹلی امام حسین ڈیرہ اسماعیل خان میں مدفون ہیں۔ غزل میں خوب نام کمایا اور بھر غزل کہی۔ ان کے دو شعری مجموعے منظر عام پر آئے۔ جبکہ تیسرا شعری مجموعہ وفات کے بعد قاصر ادبی فورم ڈیرہ اسماعیل خان نے "تلاطم" کے نام سے شائع کیا۔ بہرام غور و فکر کے بعد ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوگئے اور ساری عمر انقلاب کے گیت گاتے رہے اور مرتے دم ترقی پسند تحریک سے ہی وابستہ رہے ان کی شاعری انقلاب کی شاعری اور اس کی جھلک کلام میں نمایاں ہے۔ کیونکہ انھوں نے بہت تلخ زندگی گزاری۔ انھوں نے اپنی زندگی میں قحط اور غربت کو بہت قریب سے دیکھا۔ ان کی ساری زندگی جبر مسلسل کی طرح نظر آتی ہے۔ ان کے کلام میں یہی جھلکیاں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اُمیدِ انقلاب میں تو بھی ہے میں بھی ہوں

گویا کہ ایک خواب میں تو بھی ہے میں بھی ہوں (۱۹)

قحط آئے وبا آئے مگر میری دعا ہے

قوموں پہ کبھی فکر کا افلاس نہ آئے (۲۰)

ہمیں بہرآم کی شاعری میں تصنع اور ملمع کاری نظر نہیں آتی وہ شاعری میں لگی لپٹی رکھنے کے قائل نہیں اُن کے ہاں صاف ستھری باتیں ہیں۔ غزل گوئی میں رمز و ایمائیت سے کام لیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں وصل محبوب کے ساتھ ساتھ غم جاناں کا تڑکا لگایا بھی ہے۔ جس سے اُن کے کلام میں شعریت کی دلکشی پیدا ہوگئی ہے جو سماعتوں کو بھی اور خوبصورت لگتی ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل اشعار دیکھئے

دیکھوں جو تر ارستہ آنکھیں ہیں کہاں میری

اے یوسف گم گشتہ آنکھیں ہیں کہاں میری (۲۱)

گرد جس کے سیہ لکیریں تھیں

وہ مری زندگی کا کالم تھا (۲۲)

بہرام ساحل کی شعر و ادب سے وابستگی ذاتی مفاد سے بالا تر تھی۔ وہ شہرت و مقبولیت سے گھبراتے تھے۔ وہ نظریہ و فن کے خار زاروں میں سفر کر کے خوش ہوتے رہے۔ انھیں نے کسی سے گلا نہ تھا اور نہ ان کی زباں پر شکائتیں زمانہ تاہم انقلاب ان کا خواب تھا اور سرمایہ دارانہ نظام نے جنتا کا جینا مشکل کر دیا تھا۔ مگر انھوں نے کڑے حالات میں بھی عوام سے رشتہ نہ توڑا۔ ترقی پسند تحریک کی طرح یہ بھی انقلاب کے دعی تھے۔ ترقی پسند تحریک ختم ہو جانے کے بعد بھی ان کی انقلابی کوششوں میں کمی نہ آئی۔ بہرام ساحل کی غزل میں رومان و انقلاب کے رنگ مل کر دلکش منظر ترتیب دیتے ہیں ان کے ہاں اپنے علاقے سے وابستگی اور تہذیب و ثقافت کے رنگ بھی ملتے ہیں۔ وہ میرؔ کی دلی کی طرح ڈیرے کو بھی دل کے خرابے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ وہ ڈیرہ کو میرؔ کی دہلی سمجھتے تھے ان کے بقول

ڈیرہ بھی مرے دل کے خرابے کی طرح ہے

ساحل کبھی آباد تھا ویرانہ ہوا ہے (۲۳)

بہرام ساحل کا کلام زیادہ تر ضائع ہو گیا۔ جو دستیاب ہے۔ اسے مختصر سے مجموعے میں سمو دیا گیا اس سے ان کے شعری اسلوب اور اردو غزل سے گہری انسیت کا اظہار ہوتا ہے۔ انھوں نے ڈیرہ اسماعیل سے خوب محبت کی ان کے کلام میں علاقائی خوشبو رچی بسی ہوئی ہے۔ ہمیں ڈیرہ اسماعیل میں خاور احمد خان کا نام بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ جو ڈیرہ اسماعیل خان کی تحصیل کلاچی میں 1955ء میں پیدا ہوئے۔ خاور احمد کا پہلا مجموعہ ''منظر مرے دریچوں سے'' 1986ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ اُسے کے بعد ''رقص وصال، سرشاری اور ابر لب ریز'' شائع ہوئے۔ انھوں نے اپنی سخنوری سے ڈیرہ کی سرزمیں کو سرسبز و شاداب کیا اور نو زائیدہ شعرا کی آبیاری کی۔ وہ سرزمیں ڈیرہ اسماعیل کا غزل کے حوالے سے مستند حوالہ ہے۔ خاور احمد ایک خودرُو پھوک کی مانند ہیں جیسے اپنے آپ کو منوانے کے لیے دوسروں کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میرٹ اور کارکردگی کے بل بوتے پر اپنی پہچان بنانا جانتے ہیں۔ اور پنے کام سے دوسروں کو متاثر کرتے ہیں۔

خاور احمد کی شاعری میں غزل کے کم و بیش تمام رنگ نظر آتے ہیں۔ تاہم ان کی شاعری کا رومانوی رنگ جاذب توجہ ہے۔ یہی ان کا معتبر حوالہ ہے۔ وہ محبتوں کے لطیف لمحوں کو زبان عطا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ غزل میں ان کا یہی کمال زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ خاور احمد لطیف جذبوں اور میٹھے مستانے زمانوں کے شاعر ہیں۔ اس لیے کیفیت بھرے ایسے اشعار اُن کے مجموعوں میں کثرت سے ملتے ہیں۔ ان کا رنگ غزل ملاحظہ ہوں

تو ایک بار جو دل کی زمین چھو لیتی

تو پھر میں اگلا قدم آسمان پر رکھتا (۲۴)

آپ نے تو بند کر دیں کھڑکیاں بارش کی شام

ہم پھرے سڑکوں پہ لے کر چھتریاں بارش کی شام (۲۵)

ساجن کی یادیں بھی خاور کن لمحوں آ جاتی ہیں

گوری آٹا گوندھ رہی تھی نمک ملانا بھول گئی (۲۶)

طارق خاور کی شاعری کا رنگ دوسرے شعرا سے مختلف ہے ان کی شاعر اکتسابی کی بجائے وہبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں غزل اپنے کمال پر نظر آتی ہے جو اپنے جلو میں غزل کا پورا ساماں سمیٹے ہوئے ہے مستقبل کا مورخ ان کی شاعری کے رنگ کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ طارق احد نواز کا شمار بھی ڈیرہ اسماعیل کا ہونہار شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کا ایک ہی شعری ححموعہ ہے ان کی شعری مجموعہ "گل حرف" کے نام سے 1988ءء میں شائع ہوا۔

خاور احمد رومانوی اسلوب کے اسیر ہے ان کے نزدیک شاعری کا دوسرا نام محبت ہے۔ وہ محبت کی رنگینیوں اور لطافتوں کو ملائم لفظوں میں ڈھالنے کو شعر کہتے ہیں ان کے ہاں محبتوں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی سلیقے سے ہوئی ہے۔ ان کی شاعری میں جذبہ آب حیات کا کام کرتا ہے جو ہر لمحہ تازہ دم رکھتا ہے اس کی دم سے زندگی میں بہار اور سرگرمی ہے۔ اس دھرتی میں شعر و سخن کے پھول اگانے والوں میں طارق احمد نواز بھی شامل ہے ان کی شاعر میں محبت مرکزی نقطہ ہے۔ ان کی ساری اسی کے گرد رقصاں ہے وہ اسی جذبے سے زندگی میں سرشاری محسوس کرتے ہیں ان کے نزدیک محبت ہی انسان کو سنوارتی ہے جو زندگی میں تگاپوئے دم دم کا واحد ذریعہ ہے اس سے شریں پن ٹپکتا

ہے جو فرد کا جینا سکھاتا ہے ان کی شاعری کا محور حسن و محبت ہے ۔ خاور احمد اپنے جذبات واحساسات اور حُسن و عشق کے معاملات کا اظہار بڑی خوب صورتی اور قرینے سے کرتے ہیں۔ان کی شاعری کا لہجہ فیض سے مماثلت رکھتا ہے۔

طارق احد نواز کی شاعری میں تتلی، پھول، پانی، تصویر، قوس قزح، دھنک، بارش، شام چراغ، ستارے، چاند اور سورج بار بار آتے ہیں۔ جو سب محبت کے استعارے ہیں۔ شاعر کا ان استعاروں کی چھاؤں میں شعری ذوق پروان چڑھا ہے جو انھیں آسمانی فضاؤں کی سیر کراتا ہے۔ان کا اسلوب سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہے اس ضمن میں طارق احد نواز کے چند اشعار دیکھئے۔

اس نے اک تصویر دی تھی اور کئی ہفتوں سے میں
کر رہا ہوں گھر کی آرائش نئے انداز سے(۲۷)
یہ آفتاب یہ قوس قزح یہ نقرئی ابر
وہ زینہ زینہ پر اتر رہی ہو گی(۲۸)

طارق احد نواز کی شاعری حسن و جمال کے دائروں میں سفر کرتی ہے۔یہی چیز ان کی شاعری کا مرکز ہے جو انھیں ادھر اُدر بھٹکنے نہیں دیتا محبت کا یہی احساس جب اوجِ کمال پر پہنچتا ہے۔تو درج ذیل صفحہ قرطاس پر حسی تصویریں بناتے چلے جاتے ہیں اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہوں

نہ جانے جھیل گیا کیسے، ہجر کی سختی
یہ جسم قرب کی لذت سے ٹوٹنے والا(۲۹)
انا پرست سہی پھر بھی ایک لڑکی ہے
وہ چاہے جانے کی خواہش میں مر رہی ہو گی(۳۰)

احد نواز نے کتاب زندگی کے شوخ اور دلکش صفحات ہی نہیں پڑھے بلکہ بحیثیت انسان سب کچھ جھیلا ہے جو اُس پر یا ادھر ادھر گزرا ہے ۔ لیکن انھوں نے غزل کے تغزل نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ وہ اسے غم زمانہ سے بوجھل کرنا نہیں چاہتے اس لیے لفظیات کے چناؤ میں بھی محتاط ہیں اور صاف ستھرے لہجے میں اپنا مافی الضمیر کو بیان کر دیتے ہیں۔اس سے آورد کا امکان بڑھ جاتا لیکن حیرت ہے ان کے ہاں آمد کا تاثر بہت گہرا ہے۔ کہیں محسوس نہیں ہوتا کہ انھوں نے کوئی بات گھڑی ہے بلکہ لگتا ہے ان پر شعر اترتے چلے گئے اور وہ انھیں کاغذ پر منتقل کرتے چلے گئے۔شاعر اپنی شاعری سنانے میں بڑے حریص ہوتے ہیں۔طارق احد نواز اس کی ترجمانی درج ذیل میں کرتے ہیں شعر ملاحظہ ہوں۔

زعم تخلیق سے بڑھ کر ہے یہ سودا مجھ کو
شعر لکھوں تو کوئی جا کے سنا بھی آئے(۳۱)

ڈیرہ سے تعلق رکھنے والا شاعر احمد نواز آردو میں محبت کی شاعری کرنے والوں میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ان کا کلام آفاقی رنگ لئے ہے۔ اس نے ڈیرہ اسماعیل کی سرزمین کو ادبی بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔لوگ انھیں کبھی بھی فراموش نہ کر پائیں گے۔ڈیرہ کے شعری افق پر اُبھرنے والوں میں تسلیم فیروز، جمشید اور دیپک ہاشمی کے نام سے منظر عام پر آئے۔ طارق ہاشمی کی شعری کائنات وسیع ہے۔ وہ شاعری میں اچھوتی تراکیب، تشبیہ اور خوبصورت استعارے استعمال کرتے ہیں کہ ان کی شعری دنیا جگمگا اُٹھتی ہے۔ان کا کلام آفاقی رنگ لیے ہوئے ہے۔ طارق ہاشمی کا سرمایہ شعر تقاضا کرتا ہے کہ اس کو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اس کا شعری مزاج عمومی مجموعوں سے ذرا مختلف ہے۔ان کے ہاں موضوعات کا تنوع بھی ہے اور وہ تجربات کو پوری جزئیات کے ساتھ بیان کرنے کا ہنر بھی ہیں۔

طارق ہاشمی کی غزلیات میں حسن و عشق، دیدار محبوب، وصل آرزو، ہجر و فراق، غم آردو، غم جاناں، آہوں اور سسکیاں کی خوبصورت داستاں ہے جو قارئین کو بہت متاثر کرتی ہے ان کی داستان عشق دوسرں کی رام کہانی محسوس ہونے لگتی ہے۔ایسا معلوم ہوتا کہ انھوں نے اپنا کلیجہ نکال سامعین کے سامنے رکھ دیا ہے۔یہ شاعری نہیں۔بلکہ دل کے ٹکڑے ہیں اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اندر کرتا ہے سفر آنکھ کے اندر کی طرف
اشک گرتے ہیں مگر آنکھ کے اندر کی طرف (۳۲)
کسی کے ہاتھ میں زر اور کسی کے ہاتھ میں کشکول دیتا ہے
خدا بھی تو سٹیٹس کے مطابق ہی پروٹوکول دیتا ہے (۳۳)
دہانے پر کسی مکڑی نے اک جالا بنا تھا
وگرنہ غار تک دُشمن مرا پہنچا ہوا تھا (۳۴)
عبادت پانیوں پر نقش ہوتی پھر ابد تک
لب دریا اگر اک آخری سجدہ نہ ہوتا (۳۵)

طارق ہاشمی کی غزل اپنے عہد کے شعری منظر نامے میں بڑے مقام پر فائز ہے۔ یہ غزل ڈیرہ اسماعیل خان کی سطح پر ۹۰ء کی دہائی میں نئے طرز پر کہی جانے والی غزل ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں جہاں روایتی غزل گوئی کے بہت سے رسیا موجود تھے اس میں روایت شکنی کی کوشش قابل توجہ قرار پاتی ہے۔ انھوں نے اپنے ذہن رسا سے غزل میں اپنے لیے ایک الگ راستہ نکالا۔ جس میں انفرادیت کا تڑکا لگا ہوا ہے۔ طارق ہاشمی نے غزل کے ذریعے زندگی کے مسائل کا ذکر بڑے مؤثر انداز میں کیا ہے۔ بحر اور ردیف کے چناؤ میں سحر آفریں تاثر ہے۔ وہ دشوار پسندی اور چیلنج قبول کرنے کے عادی ہیں۔ وہ طبعاً مشکل پسند واقع ہوا ہے۔ طارق ہاشمی کا ابھی شعری سفر جاری ہے۔ وہ اپنے کلام میں نئی تراکیب، تراشیدہ الفاظ، نئی تشبیہیں اور نئے استعارے لا کر شاعر کو سحر آفرین بنا دینے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کے آئندہ شعری مجموعے نئے رجحان اور صحیح مقام تعین کرنے میں معاون ہوں گے۔ وہ آج بھی ڈیرہ کی سرزمیں کو گل و گلزار بنائے ہوئے ہیں اور بہت سے نوآموز شعرا کی ادبی آبیاری میں مصروف عمل ہیں۔

شہاب صفدر ۱۳، ستمبر 1971ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے، اب تک ان کی پانچ کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جن میں ایک نعتیہ مجموعہ ہے جب کہ چار شعری مجموعے ہیں۔ جو غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہیں۔ ان کے ہاں بھی غزلوں میں رنگا رنگی اور ہمہ جہت موضوع نظر آتے ہیں۔ ڈیرہ کی سرزمیں کو شہاب صفدؔر سے بڑی امیدیں ہیں۔ محمد علی بخاری اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"لہریں لیتی پیاس" میں ہجر و وصال کے خوبصورت لمحات کے تجربات بھی بیان ہوئے ہیں اور سماجی رویوں پر بھی تبصرہ ملتا ہے۔ معاشی استحصال' گھٹن اور جبر کی فضا کا شکوہ بھی مستحسن انداز میں ملتا ہے احساس محرومی، مسرت اور احساس تشنگی کے تلازمات اس مجموعے میں مسلسل نظر آتے ہیں"(۳۶)

شہاب صفدر اپنی شاعری میں بار بار سرزمیں ڈیرہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ ڈیرہ کی مٹی میں ایسی تاثیر ہے کہ وہ جس کو لگ جائے تو دیر تک اُترتی نہیں ہے جو آفاقی محبت کی علامت ہے مگر وطن عزیز میں غموں کی آندھیاں چلتی ہیں، جس میں بچوں کے جوان ہونے ڈر لگتا ہے ان کی شاعری عہد حاضر کا نوحہ ہے، وہ ضمن میں کہتے ہیں۔

موجہ لطف کی حسرت لیے بیٹھا ہوں شہاب
ساحل سندھ پہ میں پیاس کا ڈیرہ ہو کر (۳۷)
شہاب اتنی وفا پرور ہے یہ دامان کی مٹی
اگر دامن پہ لگ جائے اترتے دیر لگتی ہے۔ (۳۸)
غم دوراں کے ہاتھوں بے نشاں ہونے سے ڈرتے ہیں
ہمارے دیس کے بچے جواں ہونے سے ڈرتے ہیں۔ (۳۹)

شہاب صفدر کی شاعری عصر حاضر کی شاعری ہے۔ جس میں عہد موجود کے مسائل، دُکھ، حالات و واقعات، سیاست، سماج اور معاشیات کا ذکر موجود ہے۔ شہاب صفدر نے اپنی غزل کا چراغ کلاسیکیت سے روشن کیا ہے۔ یہی وجہ کہ ان چیزوں کا قرینے سے ذکر کرتے ہوئے شعریت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان کی شاعری میں کم و بیش ساری ہی چیزیں مل جاتی ہیں جس فرد کو روزمرہ مسائل سے واسطہ پڑتا

ہے ۔شہاب صفدر کی غزل میں تغزل کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ وارداتِ عشق میں والہانہ پن ہے۔انھوں نے روح انسانی کے ازلی وابدی کرب سے حلاوت کشید کی ہے۔

شہاب صفدر کی غزل میں جہاں دریائے سندھ کے کنارے آباد ڈیرہ اسماعیل خان کی زندگی اور اس کی محرومیاں ہیں وہاں اس کی ثقافت، رنگ ڈھنگ میلے ٹھیلے بھی موجود ہیں، دہشت گردی کے بعد اس شہر کی جو صورت ہو گئی ہے۔شاعر اس کی تصویر بھی خوب کھینچی ہے۔ اُن کے مجموعہ "گم کشتہ"غزلیں اور نظموں پر مشتمل ہے جو ڈیرہ شہر کے اندر ہونے والی دہشت گردی سے پہلے اور بعد کا منظر نامہ پوری طرح جھلکتا ہے۔شہاب صفدر کی غزل میں اس کے عہد کا پورا دکھ سمٹ گیا ہے۔اُس کی غزل یہاں شہر آشوب کا روپ دھار لیتی ہے۔جو غزل سے یکسر مختلف ہے جو رومانوی لب ولہجہ اور اسلوب کو ہی شعر کا حسُن گردانتی ہے۔

شہاب صفدر کی غزل میں حُسن و عشق کا تذکرہ بھی خوب ہے ۔جو ان کے چاروں مجموعوں کی غزلوں اور آخری مجموعے اشعار سے جھلکتا ہے۔ شہاب صفدر کی مجموعی تاثر مزاحمتی ہے وہ ظلمت کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔انھیں محسن نقوی کی طرح شعری روشنی کربلا کے استعارے سے ملتی ہے۔جو حق اور سچ کا واضح تصور رہے۔ان کی غزل میں کربلا کا استعارہ بار بار وارد ہوتا ہے۔

خورشید ربانی کا شعری سفر ۹۰ء کی دہائی کے آغاز میں شروع ہوا۔اُس کا مجموعہ ''رخت سفر'' 1997ء میں شائع ہوا۔ پھر ''کف ملال ''اور'' پھول کھلا ہے کھڑکی میں''منظر عام پر آئے۔خورشید ربانی کی شاعری میں بھی رومان ومزاحمت کی ملی جلی لہریں چلتی ہیں۔اس کا لہجہ نرم و ملائم اور غزل سے ہم آہنگ ہے۔اُس کے ہاں چراغ، ہوا، درخت وغیرہ کے بامعنی استعارے ہیں۔انھوں نے آخری مجموعے ''دیوار کا لفظ''میں کئی جہتوں سے برتا ہے۔وہ محبت کو ایک بوڑھا دیوتا ہی سمجھتے ہیں جو انسانوں کو کھا جاتا ہے۔ان کے بقول

محبت ایک بوڑھا دیوتا ہے
جسے نروان کا غم کھا گیا ہے(۴۰)

خورشید ربانی کی غزل میں داخلی کیفیات کا بیان بہت دلکش ہے خورشید ربانی کی غزل میں اُن کی ذات کا اظہار بہت ہی خوبصورت انداز میں ملتا ہے جو غزل میں قرطاس بن کر جگمگاتی ہے اور نظروں کو خیرہ کرتی ہے ۔ان کے ہاں آس پاس کی بستیوں کا ماحول اور رنگ ونور سے مزین طربیے بھی اپنا جلوہ دکھاتے ہیں۔ان کی غزل وسعت کا ساماں لئے ہوئے ہے ۔اس پر مستزادا عام فہم رنگ سخن ہے جو بات کو سہولت اور اہتمام سے قاری وسامع تک پہنچا دیتا ہے۔ان کی غزلوں کے مطلع عموماًانتہائی خوبصورت ہوتے ہیں۔ خورشید ربانی کے اس مطلع میں اردو غزل کی ایک مکمل تصویری جھلک نظر آتی ہے جو اپنی کہنگی سے بیزار ہے۔خورشید ربانی کے شعری شعور کی شناخت درجذیل اشعار سے ہوتی ہے۔

لکیر کھینچتا ہے دائرے بناتا ہے
مرا قلم بھی کئی زاویے بناتا ہے(۴۱)
لمحہ لمحہ ایک عذاب سے گزرے تھے
جب ہم تیرے شہر خواب سے گزرے تھے(۴۲)

خورشید ربانی کی غزل میں نئے خیال کے ساتھ ساتھ نیا پن بھی نوجود ہے جو دوسرے شعراہاں خال خال نظر آتا ہے انھیں غزل میں نئے موضوعات باندھنے کا ڈھنگ آتا ہے۔بات کہنے کا ڈھنگ آتا ہے اور لفظوں کو تراشنے کے ہنر سے بھی واقف ہیں۔خورشید ربانی کی غزل یہ تقاضا کرتی دکھائی دیتی ہے کہ اس کے شاعر کو بھیڑ سے الگ کر کے دیکھا اور پڑھا جائے کہ اس کے پاس کہنے کو نئی بات بھی ہے اور اسے کہنے کا ڈھنگ بھی آتا ہے۔شعر و سخن میں شاعر کے پاس نئی بات بھی ہو اور کہنے کا ڈھنگ بھی آتا ہو تو مقبولیت ہر دلعزیز ہو جاتا ہے کو کوئی نہیں روک سکتا۔ خورشید ربانی کا شمار ڈیرہ اسماعیل خان کے معروف شعراء میں ہوتا ہے۔۔ان کی شاعری کے استعارے، کنائے، تلمیحات وتشبیہات متاثر کن اور جاذب توجہ ہیں جبکہ دیوار محبوب کا استعارہ ہے۔جو بعد ازاں ملکی منظر نامے میں بدل جاتا ہے ہیں نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

خواب پھولوں کے دیکھتی دیوار
اُس کے گھر تک پہنچ گئی دیوار(۴۳)

پوچھتے ہو کہ ان کہی کی کیا ہے
تم نے دیکھی نہیں کبھی دیوار (۴۴)

خورشید ربانی کی غزل حسن وعشق کے تمام موضوعات کا خوبصورتی سے احاطہ کرتی ہے انہوں نے ڈیرہ کی سرزمیں کو گل وگلزار میں حق المقدور کوشش کی، ان کا رنگ سخن غزل سے پوری طرح لگا کھاتا ہے مستقبل کا مورخ انھیں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکے گا۔ طاہر شیرازی کی اردو شاعری کی تین کتب''انحراف''، ''ماسوا''اور''تکوین''ہیں۔تینوں کتب میں غزلوں کا تناسب زیادہ ہے۔طاہر شیرازی کی غزل داخلی کیفیات پر مشتمل ہے اور غزل کی خوش رنگ شاعری ہے۔اس میں نفاست، دلربائی اور کشش ہے۔ان کی غزلیں چھوٹی بحر میں اور سہل ممتنع کی عمدہ مثالیں ہیں ۔ان کے شعروں میں تاثیر ہے جو دل کو دور سے موہ لیتی ہے۔طاہر شیرازی شروع میں انحراف کے زاد راہ کے ساتھ اعلیٰ تخلیقی منزلوں کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ان کی غزل جدت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔س اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دل کسی خوف کو تصویر اگر کر لیتا
ہاتھیوں والے ابابیلوں سے ڈر جاتے تھے (۴۵)

طاہر شیرازی کی غزل میں کربلا کا استعارہ وسیب کے دُکھوں اور غموں کا نمائندگی کرتا ہے۔جو مقتولین کے منظر اور اجاڑ شامیں بے سہارا زندگیوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ جبکہ کوفے کے مضافات کا ذکر ہماری دوہری شخصیات اور منافقانہ رویوں کی عکاسی ہے۔طاہر شیرازی کے شعروں میں زندگی اپنے تمام رنگوں کے ساتھ موجود ہے۔وہ اپنے خارج کا عکس داخل میں اتار کر اُس کی شبیہ صفحہ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں۔طاہر شیرازی کی شاعری سلیقے سے سجی ہے۔اس میں زندگی کی تصویر دل آویز اور امید افزا ہے۔اخلاق احمد اعوان ڈیرہ کے بہت اچھے شاعر ہیں بہت اچھا اضافہ ہیں۔ان کا مجموعہ کلام "میسر "مثال پبلشرز فیصل آباد سے 20 18ء میں شائع ہوا ہے۔ان کی شاعری نوحہ غم کا استعارہ ہے۔انھیں اچھی اقدار کے مٹنے کا بہت غم ہے۔ مگر کچھ کرنے سے قاصر ہے یہ وہ غزل کے جدید لب ولہجہ کے حامل شاعر ہیں۔یہی وجہ کہ ان کی غزل نئے رنگ میں ڈھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے بقول امجد سلام امجد۔

"ڈاکٹر اخلاق احمد اعوان کے اس اولین شعری مجموعے "میسر "کا مسودہ میرے سامنے ہے اور اُس کی ہر غزل میں شامل کوئی نہ کوئی شعر میرے اس یقین کو مزید تقویت دے رہا ہے کہ اب اردو غزل اپنے پرانے اور سکہ بند قسم کے ادبی مراکز کی پابند نہیں دور دراز علاقوں سے ایسے باکمال اور عمدہ شاعر سامنے آرہے ہیں جن سے اس صنف ادب کی پائیداری اور شعبدی نئے نئے رنگوں میں ڈھلتی نظر آرہی ہیں"(۴۶)

ڈیرہ اسماعیل خان ادبی مراکز سے بہت دور ہے۔ڈیرہ میں غزل کی سرزمیں کو شاداب کرنے والوں میں اخلاق احمد اعوان بھی شامل ہے۔ جس نے غزل کے جادو سے نئے سننے اور پڑھنے والوں کو متاثر کیا ہے۔ان کی غزل میں عشق ومحبت، روزگار زمانہ اور ظلم وستم کا بیان بڑی شدت اور قوت سے ہوا ہے اور وہاں کی بو باس رچی ہوئی ہے ۔یہ ان لوگوں کی دکھی کہانی ہے جنھیں دھرتی بھی قبول نہیں کرتی۔اس ضمن میں چند اشعار دیکھئے۔

غم زدہ شہر کو وہ آب و ہوا دی گئی تھی
لوگ تو لوگ تھے تاریخ رلا دی گئی تھی (۴۷)

آنکھ لگتے ہی کوئی بزم سجا دی گئی تھی
بزم کیا تھی تیری تصویر جگا دی گئی تھی (۴۸)

اک ترے نام کو بس ورد کیا تھا میں نے
ایک امید پئے روز جزا دی گئی تھی (۴۹)

اُس کے ہاں الفاظ وتراکیب کا نظام بھی دلکش ہے تلازمات کا خیال بھی پوری طرح رکھتا ہے۔اس لیے شعر خیال اور فکر کی سطح کے ساتھ ساتھ ظاہری حُسن میں بھی سماعت اور بصارت کو متوجہ کرتا ہے۔اسی غزل میں "مرغابی "کا قافیہ کس خوبصورتی سے باندھا گیا ہے۔

ایک صنوبر زکا کھلیاں کی ذریابی کا
کوئی مژدہ ہو مرے دشت کی شادابی کا (۵۰)

تپتے صحرا میں سرابوں کی روانی پیہم
اور سرابوں میں اترنا کسی مرغابی کا (۵۱)

کبھی کبھی اُس کو تمام مسائل کا حل موت میں نظر آتا ہے وہ دراصل اپنے علاوہ ان زندگیوں کی ترجمانی کر رہا ہے جن کے لیے جینا عذاب کر دیا گیا ہے۔

موت نے عقدہ دشوار کو آسان کی
زندگی نے مجھے ایسے ہی پریشان کیا(۵۲)

اخلاق احمد اعوان کی شاعری میں لہجے کی توانائی اور بلند آہنگی پائی جاتی ہے۔ اُس کے غزل کا خاص وصف زبان و بیان پر قدرت کے ساتھ ساتھ فی زمانہ مروجہ مضامین کا پوری مہارت سے اظہار ہے۔ لہذا اُس کی آواز ڈیرہ اسماعیل خان تک محدود نہیں رہتی بلکہ اردو دنیا کے دھارے میں شامل ہو جاتی ہے۔ ان کی غزل جدید تر شعری اظہار کی نمائندہ ہے انھوں نے قاصر، عرفان صدیقی، ثروت حسین جمال احسانی، سعود عثمانی اور ادریس بابر سے اکتساب حاصل کیا ہے۔ اس کے باجود اپنی الگ اور منفرد حیثیت رکھتے ہیں ہے۔

اخلاق احمد اعوان کی غزل کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ وسیع المطالعہ شخص ہیں سے اُس کا مطالعہ جھلکتا ہے اُس نے قدیم و جدید شعرا کو پڑھا ہے اُن کے فیض، لب و لہجہ اور انداز اسلوب سے اپنی شاعر میں موسقیت، رچاؤ گھلاوٹ، دلکشی اور تاثیر پیدا کرنے کی کوشس کی ہے۔ جب بھی ڈیرہ اسماعیل خان میں اردو غزل گوئی کا تذکرہ ہو گا تو اخلاق احمد اعوان نئے آنے والے عمدہ شاعروں میں شمار کیے جائیں گے۔

ڈیرہ اسماعیل خاں لکھنو، دہلی اور لاہور سے بہت دور ہے جبکہ یہاں کی سرزمین پتھریلی، سنگلاخ، اونچی، نیچی، کھردری اور سخت ہے، زمین، ماحول، رہن سہن، تہذیب و ثقافت کے اثرات فطرت انسانی پر مرتب ہوتے ہیں پھر جہاں روزگار کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہو، مفلسی ہر گھر میں سو رہی ہو، شکم کھانے کا محتاج ہو اور جاں کے لالے پڑے ہوں، جہاں دو روٹیاں کا فقدان ہو۔ وہاں شعر و ادب کے بارے میں سوچنا، ادب پارہ تخلیق کرنا، شعری مجموعہ منصہ شہود پر لانا آسمان سے تارے توڑنے کے مترادف ہے۔ ایسی کڑی سرزمین میں شعر و سخن کی باتیں اور ادب کی آبیاری جوئے لانے کے مترادف تھا۔ آفریں ہے ان لوگوں پر جھنوں نے شعر و سخن کی آبیاری کی بلکہ اپنے خون جگر سے ادبی پودوں کو پروان چڑھایا۔ شعر و ادب کی آبیاری سے بانجھ زمیں بھی سرسبز شاداب ہونے لگتی ہے۔ ڈیرہ کی سرزمیں ان شعرا کی سخنوری سے گلستان ادب بنتی جا رہی ہے۔

حوالہ جات

1۔ غلام محمد قاصر: فلیپ، ’’دریائے گماں ‘‘ لاہور الحمد پلشرز، ۱۹۹۲
۲۔ غلام محمد قاصر: ’’تسلسل‘‘ لاہور، فنون پریس، (۱۹۷۷) ص ۲۲
۳۔ غلام محمد قاصر: "آٹھواں آسماں بھی نیلا ہے‘‘ لاہور، فطرت پبلشرز، جولائی ۱۹۸۸ء ص ۱۶۰
۴۔ غلام محمد قاصر: ’’تسلسل‘‘ محولہ بالا۔ ص ۳۸
۵۔ ایضاً، ص ۴۶
۶۔ غلام محمد قاصر: ’’آٹھواں آسماں بھی نیلا ہے‘‘ محولہ بالا، ص ۵۹
۷۔ غلام محمد قاصر ’’تسلسل ‘‘ محولہ بالا ص ۳۰
۸۔ ایضاً۔ ص ۷۸
۹۔ سعید احمد اختر، ’’پتا ٹوٹا ڈال سے‘‘ فطرت پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸، ص ۱۴۲

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۲۲
۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۷۸
۱۲۔ ایضاً، ص: ۱۷۹
۱۳۔ ایضاً، ص:۱۸۹
۱۴۔ ایضاً ،ص۲۰۰
۱۵۔ ایضاً، ص:۲۸۵
۱۶۔ ایضاً، ص:۳۱۸
۱۷۔ ایضاً، ص:۶۱۵
۱۸۔ ایضاً، ص:۱۰۳
۱۹۔ بہرام ساحل، تلاطم،ڈیرہ اسماعیل خان، قاصر ادبی فورم،نومبر ۲۰۰۱ء ص ۲۴
۲۰۔ ایضاً،۱۰۸
۲۱۔ ایضاً، ص ۳۱
۲۲۔ ایضاً، ص ۶۰
۲۳۔ بہرام ساحل، "تلاطم" محولا بالا ص ۹۱
۲۴۔ خاور احمد، منظر میرے دریچوں سے" محولہ بالا ص ۳۱۳
۲۵۔ ایضاً، ص ۱۹
۲۶۔ ایضاً، ص ۱۳
۲۷۔ طارق احد نواز "گل حرف" لاہور، ماورا پبلی کیشنز ۱۹۸۸، ص ۱۰۸
۲۸۔ ایضاً، ص ۳۳
۲۹۔ ایضاً، ص ۶۱
۳۰۔ ایضاً، ص ۳۴
۳۱۔ ایضاً، ص ۴۸
۳۲۔ طارق ہاشمی "دل دسواں سیارہ ہے" محولہ بالا، ص ۱۹
۳۳۔ ایضاً ، ص ۵۳
۳۴۔ ایضاً، ص ۷۷
۳۵۔ ایضاً، ص ۷۶
۳۶۔ محمد علی بخاری، "گل بداماں" فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۰۱ء ص ۲۸
۳۷۔ شہاب صفدر، "لہریں لیتی پیاس" ڈیرہ اسماعیل خان، قاصر ادبی فورم، ۲۰۰۰ ص ۶۴
۳۸۔ ایضاً، ص ۸۲
۳۹۔ ایضاً، ص ۱۷
۴۰۔ خورشید ربانی "رختِ خواب" اپیل ڈاٹ، راولپنڈی، جنوری ۱۹۹۷ ص ۱۷
۴۱۔ خورشید ربانی "کف ملال" اپیل ڈاٹ راولپنڈی، مئی ۲۰۰۵ ص ۴۵
۴۲۔ خورشید ربانی، "کف ملال" محولہ بالا ص ۸۳
۴۳۔ خورشید ربانی "پھول کھلا ہے کھڑکی میں" فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۶، ص ۳۳

۴۴۔ ایضاً، ص ۳۴

۴۵۔ طاہر شیرازی، انحراف، ڈیرہ اسماعیل خان، ق پبلشرز، ۲۰۰۲ء لاہور ص ۱۸

۴۶۔ امجد اسلام امجد، دیباچہ، مشمولہ، میسر، (اخلاق احمد اعوان) فیصل آباد، مثال پبلشرز، جنوری ۲۰۲۰ ص ۱۳

۴۷۔ اخلاق احمد اعوان: فیصل آباد مثال پبلشرز، جنوری، ۲۰۲۰ء ص: ۲۸

۴۸۔ ایضاً، ص: ۲۸

۴۹۔ ایضاً، ص: ۲۹

۵۰۔ ایضاً، ص: ۳۲

۵۱۔ ایضاً، ص ۳۲

۵۲۔ ایضاً، ص ۴۸